مولانا محمد حنیف ندوی

سنّت عہدِ نبویؐ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں حدیث وسنت کی باقاعدہ تدوین نہیں ہو پائی، اگرچہ یہ مسلمہ امر ہے کہ جہاں تک اس کی حفاظت وصیانت کا تعلق ہے اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ اسلامی معاشرے میں آنحضرتؐ کے ارشادات واسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونا، ہر مسلمان کے لیے ضروری تھا۔ آپ کی اطاعت فرض تھی، اس لیے اس بارے میں دو رائیں نہیں پائی جاتیں کہ آپ کا ہر قول وعمل دین کی تشریح وتفسیر پر مبنی ہے۔ بلکہ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اگر دین کے دائرے سے آپؐ کی تعلیمات کو خارج کر دیا جائے تو سرے سے دین کی کوئی عملی شکل ہی متعین نہیں ہو پاتی اور کسی طرح یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ قرآن حکیم نے جن اخلاقی وروحانی اقدار کی تعلیم دی ہے ان سے کس طرح کی زندگی متشکل ہوتی ہے اور کس نوع کا معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے۔ یہ آنحضرتؐ کے فیضانِ تعلیم وتربیت ہی کا کرشمہ ہے کہ قرآن حکیم ایک کامل نمونے کے قالب میں ڈھلا اور نوعِ انسانی کے لیے صحیح معنوں میں ایک رہبر اور راہ نما کی صورت میں ابھر کر سامنے آیا۔ لہٰذا جہاں تک آپؐ کے اعمال وارشادات کا تعلق ہے، یہ کہنا متفقہ طور سے اسلامی شعور کی ترجمانی کرنے کے مترادف ہے کہ دین کی تشریح وتفسیر کے سلسلے میں قرآنِ حکیم کے ساتھ ساتھ یہ دوسرا ماخذ اور سرچشمہ ہے جو اپنی آغوش میں حجیت واستناد کی روشن اور اعلیٰ مثالیں لیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے نہ صرف آنحضرتؐ کے نقوشِ قدم کی پیروی کو سعادتِ اُخروی کا توشہ جانا بلکہ اپنے سینوں کو اس کی ضوفشانیوں سے منور بھی رکھا اور اس کی حفاظت کے لیے جو ذرائع ممکن اور اسلامی مصالح کے موافق تھے، ان کو اختیار بھی کیا۔

اس مرحلے پر یہ سوال یقیناً ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ احادیث وسنن کو اگر یہ اہمیت حاصل ہے کہ وہ دین کا ماخذ ومبنیٰ ہیں تو پھر ضروری تھا کہ قرآنِ حکیم کی طرح اس کی بھی عصرِ نبوت ہی میں باقاعدہ تدوین ہو جاتی۔ یہ تدوین کیوں نہیں ہو پائی؟ اس کی ایک توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرتؐ جس وقت منصبِ نبوت سے سرفراز ہوئے اس وقت مکہ مکرمہ میں دس سے کچھ ہی زائد افراد ایسے تھے جو لکھنا

پڑھنا جانتے تھے۔ لطف یہ ہے کہ عام مورخین بھی یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ:

کانت الکتابۃ فی العرب قلیلۃ۔

عربوں میں اس دور میں لکھنے کا رواج کم تھا۔

ہم مستشرقین کے اس دعوے کی تائید کے حق میں نہیں ہیں کہ آنحضرتؐ جس قوم میں معبوث ہوئے وہ اچھی خاصی لکھی پڑھی قوم تھی اور ان کی اکثریت قرأت و کتابت کے اصولوں سے بخوبی آشنا تھی، اور یہ کہ قرآن میں جو ان کو اور آنحضرتؐ کو 'اُمّی' کہا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ شریعتِ الٰہیہ سے ناواقف تھے۔ اُمّی کی یہ تشریح لغت، تاریخ اور قرآن کے صریحاً خلاف ہے۔ جمہور مفسرین کا یہی عقیدہ ہے اور صحیح ہے کہ عربوں کی اکثریت نہ صرف اُمّی تھی بلکہ اس کو اپنی اُمّیت پر فخر و ناز بھی تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے حافظے اس درجہ قوی اور مضبوط ہیں کہ ایک دفعہ وہ جس چیز کو سن لیں اور اپنی گرفت میں لے لیں وہ ہمیشہ کے لیے ان کی لوح ذہن پر مرتسم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ان کا خیال تھا کہ کتابت میں تغیر و تبدل کا برابر احتمال رہتا ہے۔ یہی نہیں کتاب ضائع بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن قلب و ذہن پر کندہ نقوش نہ ضائع ہوتے ہیں اور نہ ان میں تحریف و تصحیف ہی کی کوئی گنجائش رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے وہ حفظ کو کتابت پر ترجیح دیتے تھے۔

ہم جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اگرچہ ان کی اکثریت جاہل تھی تاہم ان میں فنِ کتابت سے آشنا افراد کی تعداد اتنی کم نہ تھی جتنی کہ عام طور سے بیان کی جاتی ہے۔

آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے مکہ مکرمہ نہ صرف ایک معبد کی حیثیت سے مشہور تھا بلکہ کاروبار اور تجارت کا بہت بڑا مرکز بھی تھا اور یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ کاروباری طبقہ، تحریر و کتابت کی صلاحیتوں سے یکسر محروم ہو یا اس کی ضرورت و اہمیت سے قطعی ناواقف ہو، مکہ والے فن کتابت سے بہرہ مند تھے، اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ غزوۂ بدر میں جو لوگ اسیر ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوئے، آنحضرتؐ نے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ ان میں کا ہر ایک فرد مدینہ کے بچوں کو کتابت و قرأت کی تعلیم دے۔ مزید برآں کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ لوگ جن کو کاتبِ وحی کے پُرافتخار لقب سے نوازا جاتا ہے اور جو تعداد میں چالیس سے کم نہیں تھے، ان میں اکثریت انہی اصحاب کی تھی جن کا تعلق مکہ مکرمہ سے تھا۔

ورقہ بن نوفل مکہ ہی کا رہنے والا تھا۔ اس نے زمانہ جاہلیت میں تورات اور انجیل کو عربی تحریر میں منتقل کیا۔ زمانۂ جاہلیت میں عربی میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآنِ حکیم میں ان تمام لوازم کا ذکر ہے جو لکھنے پڑھنے سے متعلق ہیں۔ مثلاً قرطاس:

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ (الانعام: ۹۱)

جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق پر نقل کر رکھا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ۙ (القلم: ۱)

ن۔ قلم کی اور جو اہل قلم لکھنے والے ہیں ان کی قسم۔

سیاہی — قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ (الکہف: ۱۰۹)

کہہ دیجیے اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں، سمندر ختم ہو جائے، اگرچہ ہم ویسا ہی اور سمندر اس کی مدد کو لائیں۔

اسی طرح اور الفاظ بھی قرآن میں مذکور ہیں، جن سے مکہ والوں کی تحریری صلاحیتوں کا پتا چلتا ہے۔ جیسے مرقوم، مسطور، سفرہ، کاتب، اسفار، زبر، صحف، سجل وغیرہ۔

مدینہ منورہ میں تشریف لے جا کر آنحضرتؐ نے تعلیم و تعلم کی طرف زیادہ توجہ مبذول فرمائی اور اس طرح لکھنے پڑھنے کا دائرہ اور وسیع ہوا۔ اس دور میں مساجد علم کا مرکز تھیں اور مدینہ میں نو مسجدیں تھیں، جہاں مختلف قبائل کے بچے تعلیم پاتے تھے۔ خصوصیت سے مسجد نبوی میں ایک مقام جسے "صفہ" کہا جاتا ہے، تعلیم کا بہت بڑا مرکز تھا، یہاں صحابہ صبح و شام تحصیلِ علم میں مشغول رہتے۔ عبداللہ بن سعید بن العاص انھیں لکھنا پڑھنا سکھاتے، جو اس فن کی باریکیوں سے اچھی طرح آگاہ تھے، اور آنحضرتؐ نے خود انھیں اس کام کے لیے مامور فرمایا تھا۔ اہل علم اس حقیقت سے بھی ناآشنا نہ ہوں گے کہ پہلی ہجری میں آنحضرتؐ نے مردم شماری کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ مدینہ میں تمام ان بسنے والوں کی تعداد معلوم کی جائے جو آغوشِ اسلام میں آ چکے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں باب کتابۃ الامام للناس کے تحت اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ اس مردم شماری میں ایک ہزار پانچ صد مسلمانوں کے نام درج کیے گئے۔

اس تجزیہ سے یہ حقیقت بھی نکھر کر فکر و نظر کے سامنے آجاتی ہے کہ آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں جو

احادیث و سنن کی باقاعدہ اور رسمی تدوین نہیں ہو پائی تو اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ صحابہ میں پڑھے لکھے لوگ کم تھے، بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ اس دور میں آنحضرتؐ اور صحابہ کے سامنے اہم مسئلہ یہ تھا کہ تحریر کی صورت میں کہیں احادیثِ رسول اور قرآن کی آیات میں اختلاط نہ ہونے پائے، اور ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی توجہ حفظِ قرآن کی طرف سے ہٹ جائے۔ اسی اندیشے کے پیشِ نظر ابتدا میں آنحضرتؐ نے کتابت سے یہ کہہ کر روک دیا:

لاتکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عنی ولاحرج۔

کہ تم احادیث کو قلم بند نہ کرو، اور جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھ رکھا ہے، وہ اس کو مٹا دے۔ ہاں احادیث کو بیان کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ حدیث ابو سعید الخدری سے مروی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیثِ رسولؐ بیان بھی کی جائے اور اس کے انوار سے سینوں کو فروزاں بھی رکھا جائے۔ لیکن اسے معرضِ تحریر میں نہ لایا جائے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ احادیثِ رسول اور آیاتِ قرآن میں خطِ امتیاز نہ کھینچ سکیں۔ لیکن جب قرآنِ حکیم ہر طرح محفوظ ہو گیا، صدور میں بھی اور سطور میں بھی، اور التباس و اختلاط کا یہ اندیشہ جاتا رہا تو آنحضرتؐ نے کتابتِ احادیث کی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

قیدوا العلم بالکتاب۔ (علم کو قیدِ تحریر میں لے آؤ)

رافع بن خدیج سے مروی ہے:

انہ قال! قلت یارسول اللہ انا نسمع عنک اشیاء افنکتبھا، قال اکتبوا ولاحرج۔

رافع بن خدیج نے کہا یارسول اللہ، ہم آپ سے بہت سی باتوں کو سنتے ہیں، کیا ہم انھیں لکھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔

سنن ترمذی میں ابو ہریرہ سے یہ روایت منقول ہے کہ ایک انصاری آنحضرتؐ کی مجلس میں بیٹھتا اور آنحضرتؐ کے ارشادات کو سنتا اور استفادہ کرتا۔ لیکن اس کا حافظہ اس درجہ قوی نہ تھا کہ ان کو قیدِ حفظ میں لا سکے۔ اس لیے آنحضرتؐ سے اس نے اپنی اس کمزوری کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا:

استعن بیمینک: (اپنے داہنے ہاتھ سے کام لو)

یعنی اگر تمہیں احادیث یاد نہیں رہتیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ لکھ لیا کرو۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک طویل اور حکیمانہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کو اسلام کا دستورِ حیات کہا جا سکتا ہے۔ آپ جب خطبے سے فارغ ہوئے تو یمن کے ایک صاحب ابو شاہ نامی شخص کھڑے ہوئے اور گزارش کی کہ یا رسول اللہ! مجھے یہ خطبہ لکھوا دیجیے۔ اس پر آپؐ نے یہ حکم دیا:

اکتبوا لابی شاہ ۔ (کہ ابی شاہ کے لیے یہ خطبہ لکھ دو)

ان تصریحات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے کتابتِ حدیث سے ابتداءً اگرچہ اس خطرے کی بنا پر روکا تھا کہ احادیث اور قرآن کی آیات میں التباس واختلاط نہ پیدا ہو جائے۔ لیکن یہ نہی عام اور مطلق نہ تھی بلکہ ایک مصلحتِ دینی کے تابع تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ قرآنِ حکیم کی آیات میں کوئی اشتباہ نہ پیدا ہو، چنانچہ جب یہ اشتباہ اور خطرہ دور ہو گیا اور قرآن کی حفاظت وصیانت کے تمام مرحلے طے ہو گئے تو آپ نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں احادیث کے متعدد مجموعے تیار ہو گئے، جن میں مشہور یہ ہیں۔

۱۔ سعد بن عبادۃ الانصاری کا صحیفہ

۲۔ سمرہ بن جندب کا رسالہ۔ اس کے بارے میں ابن سیرین کا کہنا ہے کہ اس میں علم کا کثیر حصہ مذکور ہے۔

۳۔ جابر بن عبد اللہ کا صحیفہ۔ اس کی قدر وقیمت سے متعلق جلیل القدر تابعی قتادہ بن السدوسی کا کہنا ہے:

لان صحیفۃ جابر احفظ منی من سورۃ البقرۃ : جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے ذہن میں سورۃ بقرہ اس قدر محفوظ نہیں، جس قدر یہ صحیفہ محفوظ ہے۔

۴۔ الصحیفۃ الصادقہ : اس کو عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرتؐ سے سن کر لکھا۔ مسند احمد میں اس صحیفے کے مشمولات کا ذکر موجود ہے۔ اس میں اس بات کی تصریح بھی پائی جاتی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ کیا آپ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں میں لکھ لیا کروں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہاں لکھ لیا کرو۔ اس نے پھر پوچھا، کیا رضا اور غضب، دونوں حالتوں میں۔ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

نعم فانی لا اقول فی ذلک الا الحق۔

کیوں نہیں میں دونوں صورتوں میں حق ہی کا اظہار کرتا ہوں۔

۵- اس سلسلے میں سب سے بڑا اور عظیم الشان صحیفہ وہ ہے جس میں آنحضرتؐ نے مہاجرین و انصار اور یہود کے مابین حقوق و فرائض کی تعیین کی، اور ایک معاہدے کی شکل میں ترتیب دیا اس میں پانچ مرتبہ اہل ھٰذہ الصحیفۃ کا لفظ آیا ہے۔ یہ صحیفہ صحابہ میں اس درجہ مشہور و متواتر تھا کہ کتاب اللہ کے پہلو بہ پہلو اس کا ذکر کیا جاتا۔ اس میں اسلام کے کلیات و احکام کی ایسی تشریح پائی جاتی ہے، جس کی بنیاد پر مدینہ میں پہلی اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی مخصوص تحریر یا کتاب موجود ہے۔ آپ نے فرمایا:

لا، الا کتاب اللہ او فھم اعطیہ رجل مسلم و ما فی ھٰذہ الصحیفۃ۔

نہیں، سوا کتاب اللہ اور اس فہم ادراک کے جس سے ہر مسلمان بہرہ مند ہے، یا جو اس صحیفہ میں مندرج ہے۔

۶- صحف ابن عباس - ان صحف کی کتابت ان کے شاگرد سعید بن جبیر نے کی، ان کی مرویات اس درجہ مشہور ہیں کہ اس سے تفاسیر و احادیث کے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

۷- صحف ابی ہریرہ - حضرت ابی ہریرہ کثیر الروایہ ہیں۔ ان کی مرویات کا مشہور مجموعہ وہ ہے جس کی ان کے تلمیذ رشید ہمام بن منبہ نے روایت کی۔ یہ اگرچہ تابعی ہیں، تاہم اس میں مذکورہ روایات چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، اس لیے اس صحیفے کو بھی ہم ان صحائف میں شمار کر سکتے ہیں جو عہد نبوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کی دریافت کا شرف ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایسے فاضل و محقق کو حاصل ہوا، جنھوں نے برلن اور دمشق کی لائبریریوں میں سے اسے ڈھونڈ نکالا۔ تدوین حدیث میں یہ صحیفہ بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ اس کی توثیق اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ یہ صحیفہ جوں کا توں مسند احمد میں مندرج ہے۔ صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں بھی اس کی مرویات پائی جاتی ہیں۔ یہ ۱۳۸ احادیث پر مشتمل ہے۔

۸- مکتوبات : عہد نبوی میں اس دور کے متعدد حکمرانوں کو جو خطوط لکھے گئے، وہ بھی کتابتِ حدیث کے سلسلۃ الذہب کی ایک درخشاں کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی اور ان پر واضح کیا گیا کہ اگر یہ امرا و سلاطین دنیا و آخرت میں سلامتی کے خواہاں ہیں تو انھیں چاہیے کہ اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیں۔

(ماخذ: علوم الحدیث تالیف دکتور صبحی الصالح)